۳۷

معاندین سے جنگ اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک سچ اور جھوٹ میں سے ایک قربان گاہ پر نہیں چڑھ جاتا۔ دین کیلئے مالی اور جانی قربانیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انعام ہیں

(فرمودہ ۱۱؍اکتوبر ۱۹۳۵ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ[1]

پھر فرمایا:۔

سب سے بڑی نعمت ایک سمجھدار اور عقلمند انسان کے لئے یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی آواز سننے اور اسے قبول کرنے کا موقع مل جائے۔ دنیا میں معمولی معمولی افسروں کی صُحبت جب لوگوں کو میسر آتی ہے تو وہ اس پر اِترا جاتے اور فخر اور تکبر کے خیالات ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تھوڑی بہت حکومت جب کسی انسان کو حاصل ہوتی ہے تو وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ نہ معلوم میں اب کیا سے کیا ہو گیا ہوں۔ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہتے ہیں شاہانِ روس میں سے ایک زار بادشاہ اس بات کا عادی تھا کہ اپنا بھیس بدل کر رات کو یا دن کے مختلف وقتوں میں پھِرا کرتا۔ اور اس طرح

گشت لگا کر معلوم کیا کرتا کہ اس کی رعایا کا کیا حال ہے۔ ایک دفعہ جب وہ اسی طرح پھر رہا تھا تو وہ ایک گاؤں کی طرف نکل گیا جہاں پہنچ کر وہ اپنا رستہ بُھول گیا اور اسے کچھ پتہ نہ لگتا تھا کہ وہ کدھر جائے۔ راستہ کی تلاش میں اُس نے گلی میں اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا کہ شاید کوئی سمجھدار آدمی مل جائے اور وہ اس سے راستہ دریافت کر سکے۔ اتنے میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک گھر کے دروازہ کے آگے ایک آدمی متکبرانہ انداز میں کھڑا ہے اُس نے لاتیں چوڑی کی ہوئی ہیں اور چھاتی باہر نکالی ہوئی ہے اور اس طرح اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے کہ گویا اُس کی حیثیت کا دنیا میں کوئی انسان نہیں۔ بادشاہ آگے بڑھا اور چونکہ اُس شخص کا طرز فوجی تھا اِس لئے بادشاہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ کوئی سپاہی یا اسی حیثیت کا آدمی ہے قریب پہنچ کر بادشاہ نے دریافت کیا۔ میاں سپاہی! کیا تم بتا سکتے ہو کہ فلاں جگہ پہنچنے کے لئے کونسا رستہ ہے؟ وہ اُس وقت پائپ پی رہا تھا۔ جب اُس نے بادشاہ کی بات سنی تو متکبرانہ انداز میں اس نے ایک طرف اپنا منہ پھیر لیا۔ پائپ کا دُھواں نکالنا شروع کر دیا اور نہایت حقارت سے جواب دیا میں سپاہی نہیں ہوں۔ بادشاہ نے کہا اچھا معاف کیجئے گا مجھ سے غلطی ہوئی۔ اِس کے بعد اُس نے پھر کسی بڑے عُہدے کا نام لیا اور کہا کیا آپ وہ ہیں؟ اُس نے اسی طرح منہ دوسری طرف موڑے رکھا اور کہا میں وہ نہیں ہوں، اِس سے بڑا افسر ہوں۔ پھر اُس نے اور زیادہ اوپر کے عہدے کا نام لیا اور پوچھا کیا آپ وہ ہیں؟ اس نے پھر کہا میں وہ نہیں ہوں۔ اس سے بڑے عہدے کا نام لو۔ مگر اس تمام عرصہ میں اس نے منہ دوسری طرف کئے رکھا۔ آخر بادشاہ نے جب سارجنٹ یا وارنٹ آفیسر جو اُس کا عُہدہ تھا اُس کا نام لیا تو اُس نے کہا۔ ہاں۔ بادشاہ نے چونکہ دریافت کرتے ہوئے فوجی عہدوں کا صحیح نام لیا تھا اس لئے اس سارجنٹ کے دل میں خیال پیدا ہوًا کہ یہ بھی کوئی فوجی آدمی معلوم ہوتا ہے آؤ اِس سے بھی دریافت کریں کہ وہ کون ہے؟ اِس پر اُس نے پوچھا کیا تم بھی فوج سے تعلق رکھتے ہو؟ بادشاہ نے جواب دیا ہاں۔ اُس نے پوچھا کیا تم سپاہی ہو؟ بادشاہ نے کہا ذرا اوپر چلئے۔ پھر اس نے کسی اور عہدے کا نام لیا اور پوچھا کہ کیا آپ وہ ہیں؟ بادشاہ نے کہا اور اوپر چلئے۔ اس کے بعد اُس نے اور عہدے کا نام لیا اور دریافت کیا کہ کیا آپ وہ ہیں؟ بادشاہ نے کہا اور اوپر چلئے۔ آخر جب سپاہی اُس عہدہ پر پہنچا جو اُس کا اپنا تھا تو بادشاہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا کہ یہ شخص میرے برابر عُہدہ کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس سوال کے جواب میں بھی جب بادشاہ نے کہا کہ ذرا اَور اوپر

چلئے تو وہ زیادہ توجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور اُس نے پوچھا کیا آپ لیفٹیننٹ ہیں؟ بادشاہ نے کہا ذرا اور اوپر چلئے۔ اُس نے پوچھا کیا آپ کپتان ہیں؟ بادشاہ نے کہا ذرا اور اوپر چلئے۔ اب تو سپاہی خوف سے کانپنے لگا اور ادب سے پوچھا کیا آپ میجر ہیں؟ اور اسی طرح عُہدے بڑھا کر پوچھتا گیا۔ یہاں تک کہ جب اُس نے سوال کیا کیا کمانڈر اِنچیف ہیں؟ تو اس کے دانت بج رہے تھے اور لاتیں کانپ رہی تھیں مگر جب بادشاہ نے پھر بھی کہا کہ اوپر چلو تو چونکہ اسے معلوم تھا کہ بادشاہ بھیس بدل کر پھرا کرتا ہے سپاہی کی لاتیں جواب دے گئیں اور وہ بے اختیار زمین پر یہ کہتے ہوئے گر گیا کہ کیا آپ زار ہیں؟ اِس پر بادشاہ نے کہا ہاں اور اُسے اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

غرض دنیا کے عُہدوں کی وجہ سے یا بادشاہوں اور حُکّام کے قُرب کی وجہ سے لوگ اپنی بڑی عزت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ گاؤں کا نمبردار ہی جب کسی نائب تحصیلدار کے پاس بیٹھتا اور اس سے باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ گاؤں کے تمام لوگ میرے رحم پر ہیں۔ پولیس والے بھی اسی قسم کے متکبرانہ خیالات لئے ہوئے ہوتے ہیں اور اگرچہ پولیس کے افسر بعض دفعہ نرمی کرتے اور لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کر دیتے ہیں مگر جو اُن کے پاس بیٹھنے والے اور اُن سے اکثر ملنے جُلنے والے ہیں وہ ان سے بھی زیادہ اپنی شان دکھاتے ہیں اور اس قدر بددماغ ہوتے ہیں کہ وہ پولیس اور اس کے افسروں کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے ہی یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اب ہمارے سامنے سب لوگ ہیچ ہیں۔

جب دُنیوی عُہدوں پر فائز ہونے یا اعلیٰ عُہدہ داروں اور افسروں کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے لوگ عزت محسوس کرنے لگتے ہیں تو کتنے تعجب کی بات ہوگی اس قوم کے متعلق جسے خدا تعالیٰ کی آواز سننے کا موقع ملے خواہ براہِ راست سننے کا یا بِالواسطہ سننے کا مگر وہ اس آواز کی قدر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ۔ اے ہمارے رسول! کیا ہم نے تیرے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا کہ تیرے دل میں اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا ایک جوش پیدا کر دیا اور پھر قُرب کے حصول کے لئے بجائے اس کے کہ تجھ پر سب کوشش چھوڑ دی جاتی، ہم نے خود الہام کے ذریعہ اپنی رضا کی راہیں تجھے بتا دیں اور اس طرح تیرا بوجھ تجھ سے دور کر دیا۔ کیا یہ احسان جو ہم نے تجھ پر کیا

کچھ کم ہے؟ یہ احسان جو رسول کریم ﷺ کے ساتھ کیا گیا صرف آپ کے ساتھ ہی احسان نہ تھا بلکہ ساری دنیا پر احسان ہے۔ کونسا انسان ایسا ہے جسے خدا تعالیٰ نے اس احسان سے محروم رکھا یا کونسا ایسا مذہب یا مُلک یا جماعت ہے جسے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ محمد ﷺ کے اس انعام میں تم حصہ دار نہیں۔ جب حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے پاس ایک کنعانی عورت آئی اور اُس نے کہا اے اُستاد! مجھ پر رحم کر۔ جو تعلیم تُو دوسرے لوگوں کو دیتا ہے اُس سے مجھے بھی فائدہ اُٹھانے دے۔ تو اُسے یہ جواب دیا گیا کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کُتّوں کو ڈال دینی اچھی نہیں [2] اور جیسا کہ عیسائی کتب سے معلوم ہوتا ہے وہ عورت دل شکستہ ہو کر واپس چلی گئی مگر رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تعلیم ملی اس کے لئے کوئی حد بندی نہیں۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے جا اور ساری دنیا کو یہ پیغام سنا دے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا [3] میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ کوئی قوم ایسی نہیں جو میرے دائرہ ہدایت سے باہر ہو۔ میرا دستر خوان ہر شخص کے لئے کُھلا ہے۔ جو چاہے اپنی روحانی غذا کا سامان اس سے حاصل کرے۔ پس ہم میں سے کون ہے جو یہ کہے کہ خدا کی یہ آواز میرے کانوں نے نہیں سنی۔ یا خدا تعالیٰ کا محبت بھرا ہاتھ میری طرف بڑھایا نہیں گیا۔ اور اگر خدا تعالیٰ اپنی شیریں آواز سنائے اور انسان اپنے کانوں میں روئی ڈال لے یا خدا تعالیٰ اپنا محبت بھرا ہاتھ بڑھائے اور انسان اپنے ہاتھ کو کھینچ لے تو ایسے انسان کا علاج کیا ہو سکتا ہے اور کیونکر یہ شکوہ کر سکتا ہے کہ اسے ہدایت نہیں ملی۔

غیروں کو جانے دو۔ ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ نے اِس وقت اپنے تازہ کلام کے سننے کا موقع دیا ہے۔ وہ خدا جس نے حرا میں رسول کریم ﷺ سے کہا کہ جا اور دنیا کو ہدایت دے، وہ خدا جس نے جبریل کی معرفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام پہنچایا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [4] وہ خدا جس نے غارِ ثور میں آنحضرت ﷺ سے یہ فرمایا کہ اپنے ساتھی سے کہہ دے ڈر کی کوئی بات نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا [5] اللہ ہمارے ساتھ ہے، وہ خدا جس کی وحی مدینہ میں بھی جا کر نازل ہوئی اور اس نے خبر دی کہ ساری دنیا ایک دن اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے والی ہے اور قیصر و کسریٰ کی حکومتیں پاش پاش ہو جائیں گی کیا اسی خدا نے دوبار ہمیں آواز نہیں دی؟ اور کیا وہی شیریں آواز ایک بار پھر ہمارے لئے بلند نہیں کی گئی؟ وہ پیاری آواز

جس کی ایک ایک سُر کے اندر ہزاروں محبتیں بھری ہوئی تھیں ایسی اعلیٰ محبتیں کہ جو انسان کے دل کو عشق کے جذبات سے لبریز کر دیتی ہیں، ہمارے لئے پھر بلند کی گئی۔ اور اُسی شان کے ساتھ بلند کی گئی جس شان کے ساتھ وہ پہلے بلند ہوئی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بروز اور آپ کے اعلیٰ درجہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور آپ خود نہیں بولتے تھے بلکہ آپ کی وساطت سے خود رسول کریم ﷺ بولتے تھے۔ پس ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ہم نے اس آواز کی کیا قدر کی اور کیا اس آواز کے معاملہ میں ہمارے دلوں میں بھی وہی ادب اور احترام کے جذبات ہیں۔ اور وہی قربانیوں کے ولولے اور جوش ہیں جس قسم کا ادب و احترام اور جس قسم کی قربانیاں یہ آواز چاہتی ہے؟ یا ہماری ساری جدوجہد یا ہم میں سے ایک طبقہ کی جدوجہد یہ ہے کہ ہم قربانیوں سے بچ جائیں۔ دیکھو! ہم سے پہلے دو قومیں گزری ہیں ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تھی جس نے ایک نہایت ہی نازک موقع پر کہہ دیا کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ [۶] یعنی جا تُو اور تیرا ربّ دشمنوں سے لڑائی کرے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں مگر ان کی نسلوں نے اس غلطی کی اصلاح کی یہاں تک کہ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ جن الفاظ میں خدا تعالیٰ کوئی بات کرنے کو کہے، انہی الفاظ کی اِتّباع کرنی چاہیئے اور تاویلوں سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ پھر اپنی اِس عادت کو انہوں نے یہاں تک ترقی دی کہ یہودی قوم اِس بات کے لئے مشہور ہوگئی کہ وہ رسموں کی پابند ہے اور لفظوں کے پیچھے جاتی ہے۔ انہوں نے پھر کسی جگہ بھی تأویل کو جائز نہ سمجھا۔ جن الفاظ میں تورات میں کوئی بات کہی گئی تھی اُن کا لفظی طور پر اِتّباع کیا مگر اس کے بعد ایک اور قوم آئی جس نے یہ نہیں کہا کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ بلکہ اگرچہ ان میں سے بعض نے کمزوری دکھائی مگر جب حضرت مسیح علیہ السلام کو دشمنوں نے گرفتار کرنا چاہا تو انہوں نے اپنی تلواریں نیام سے نکال لیں لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد ہی انہی میں سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے شریعت کے احکام کی بجا آوری کو اپنے لئے چٹّی اور بوجھ سمجھا اور کہا شریعت کیا ہے۔ ایک لعنت ہے۔ [۷] غرض انہوں نے شریعت کو لعنت قرار دے دیا اور اس طرح وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو گئے۔ آخر یہ شریعت کو بوجھ سمجھنے کی بنیاد کیونکر قائم ہوئی؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی یہ سمجھتے تھے کہ شریعت ایک چٹّی ہے؟ ان کی تو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں تعریف کی ہے اور ان کے تقویٰ اور ایثار کو سراہا ہے اور قرآن کریم

سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع ایک لمبے عرصہ تک شریعت کے پابند رہے اور ان انعامات کے وارث ہوتے رہے جو خدا تعالیٰ کے پیاروں کے لئے مقدر ہیں۔ یہاں تک کہ گو رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں آکر عیسائیوں کی حالت بہت بگڑ گئی مگر پچھلے بزرگوں کا اثر ایک حد تک ان میں باقی تھا۔ اور اس خرابی کے زمانہ میں بھی ایک حصہ ان کا ایسا تھا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ایسی محبت رکھتے ہیں کہ جب اس کا ذکر آتا ہے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔[8] پس جب حواریوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ خیال کہ شریعت نَعُوْذُ بِاللّٰہِ لعنت ہے ان سے شروع نہیں ہوا اور نہ ان کے زمانہ سے شروع ہوا بلکہ ایک لمبے عرصہ کے بعد آہستہ آہستہ عیسائیوں میں یہ خیال آتا گیا کہ شریعت لعنت ہے۔ مسلمانوں نے بھی ایک لمبے عرصہ تک شریعت کی قدر کی اور اس کے احکام کی بجا آوری کو اپنی روحانی ترقی اور خدا تعالیٰ کے قُرب کے لئے ضروری سمجھا لیکن رفتہ رفتہ ان کی یہ حالت ہوگئی کہ جب کوئی شریعت کی بات ان تک پہنچتی تو بسا اوقات بجائے یہ خیال کرنے کے کہ شریعت کے احکام ہمارے لئے ایک رحمت ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ ہم سے خدمت لے رہا ہے، وہ سمجھتے کہ یہ ایک چٹّی ہے جو ہم پر پڑ گئی اور وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں میں اس قسم کے مسائل پائے جاتے ہیں کہ شریعت کا فلاں حکم جو ہے اس سے بچنے کے لئے کونسی ایسی کوشش کی جائے کہ انسان گنہگار بھی نہ ہو اور وہ کام بھی نہ کرنا پڑے۔ اس پر انہوں نے کتابُ الحِیل کی قسم کی کتابیں تک لکھ ڈالی ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ بغیر گنہگار بننے کے انسان کس طرح بعض شرعی احکام کی بجا آوری سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً حیلوں میں سے ایک حیلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو تین دفعہ طلاق دے چکا ہو اور وہ پھر اُسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو تو اُس کا حلالہ نکالا جائے یعنی ایک رات کے لئے کسی اور مرد سے جھوٹا نکاح پڑھا دیا جائے حالانکہ حلالہ سب سے زیادہ حرام چیز ہے۔ پھر وہ یہاں تک گر گئے کہ ایک بڑی کتاب میں جو ایک بڑے عالم کی لکھی ہوئی ہے میں نے پڑھا کہ اگر کوئی عیدالضحیٰ کے دن نمازِ عید سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا چاہے تو کس طرح کھائے؟ چونکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ نمازِ عید کے بعد قربانی کی جائے اس لئے لازماً قربانی کا گوشت نماز کے بعد ہی کھایا جا سکتا ہے مگر وہ اس امر کے جواز کیلئے حیلہ پیش کر رہا ہے کہ اگر کسی کا جی چاہے کہ نماز سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے تو کس طرح کھائے۔ کوئی اِس

بھلا مانس سے پوچھے کہ تجھے کونسی ایسی مصیبت پڑی ہے کہ تو عید سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر اس نے یہ حیلہ بتایا ہے کہ چونکہ عید کی نماز بڑے شہر میں ہؤا کرتی ہے، گاؤں میں نہیں ہوتی اس لئے اگر کوئی نماز سے قبل قربانی کا گوشت کھانا چاہے تو وہ شہر سے دو تین میل باہر جائے اور وہاں قربانی کر دے اور کھالے اس طرح قربانی بھی ہو جائے گی اور پھر شہر میں آ کر نماز پڑھ لے۔ گویا رسول کریم ﷺ نے جو باتیں بتائی ہیں، وہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ایسی مصیبت اور عذاب ہیں کہ ہم ان پر عمل کر کے امن پا ہی نہیں سکتے۔ جن لوگوں کے دلوں میں شریعت کی یہ عظمت ہو اُن سے کب یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ شریعت کا اعزاز دنیا میں قائم کریں گے۔ اور لوگوں کو اس کے احکام کی خوبیاں اور حکمتیں بتا کر ان پر عمل کرنے کی نصیحت کریں گے مگر یہ تو شریعت کی بے قدری کا انتہائی قدم ہے۔ اس سے نچلا قدم یہ ہے کہ جب جماعت کو کسی قربانی کی تحریک کی جائے تو کہا جائے کہ یہ بوجھ ہم سے کب ہٹایا جائے گا حالانکہ سچے مؤمنوں کی یہ حالت ہؤا کرتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں شریعت نے ان پر بوجھ نہیں ڈالا بلکہ شریعت نے ان کے بوجھوں کو اُٹھایا ہے چنانچہ دیکھ لو پولوس کہتا ہے شریعت لعنت ہے اور وہ ایک بوجھ ہے جو ہم پر لادا گیا[9] مگر ہمارا خدا کہتا ہے وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ شریعت بوجھ نہیں شریعت چٹّی نہیں بلکہ شریعت تو وہ چیز ہے جو خود تمہارے بوجھوں کو اُٹھاتی ہے۔ اُن بوجھوں کو جو تمہاری کمر کو توڑنے والے ہوں۔ پس اسلام کہتا ہے کہ قربانیوں کا تم سے اس لئے مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ وہ تمہیں تباہ کریں بلکہ اس لئے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمہیں مصیبتوں سے بچائیں اور سُکھ اور آرام کی زندگی بسر کرائیں لیکن اگر ہم کبوتر کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کہیں کہ ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہیں جس سے محفوظ رہنے کے لئے قربانیوں کی ضرورت ہو تو اِس کا سوائے اِس کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مصیبتیں آئیں اور ہمیں تباہ کر دیں۔ کئی انسان ہوتے ہیں جو روح کے ان سفروں سے ناواقف ہوتے ہیں جو اسے پیش آنے والے ہوتے ہیں اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دُنیوی زندگی اُخروی زندگی کے مقابلہ میں اتنی بھی نہیں جتنی سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت ہوتی ہے۔ جو شخص لندن جانے والا ہو اگر اُسے یہ کہا جائے کہ بٹالہ میں تجھے اچھا کھانا کھلا دیا جائے گا آگے لندن تک تم فاقے کرتے جانا تو کیا وہ اسے منظور کرے گا؟ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کلکتہ تک ہی جانے والا ہو اور اسے کہا جائے کہ امرتسر میں تجھے پلاؤ کھلا دیا جائے گا مگر کلکتہ تک جو

صرف ڈیڑھ دن کا فاصلہ ہے تمہیں فاقہ کرنا ہوگا تو وہ اس کو منظور کرے گا؟ اگر ایسے آدمی کے سامنے جو کلکتہ جانے والا ہو یہ بات پیش کی جائے کہ امرتسر میں تجھے پلاؤ کھانے کو ملے گا مگر آگے بھوکا رہنا پڑے گا تو وہ یہی کہے گا کہ مجھے سارے راستہ میں معمولی غذا منظور ہے مگر پہلے اچھا کھانا کھا کر آئندہ کا فاقہ اور مصیبت مجھے منظور نہیں۔ پھر اگر انسان یہ سمجھتا ہو کہ اسے ابدی حیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دنیا محض ایک تیاری کی دنیا ہے جو ایک دائمی زندگی کے لئے جو اِس کے بعد آنے والی ہے، اسے تیار کرتی ہے تو وہ کیونکر یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کا تھوڑا سا آرام یا تھوڑی سی راحت اسے اگلے جہان پر مقدم ہے اور کب وہ اس زندگی کے سُکھ کے مقابلہ میں اگلی زندگی کا نقصان و زیاں برداشت کر سکتا ہے۔ درحقیقت یہ ایمان کی کمی ہوتی ہے جو انسان شریعت کو چٹّی سمجھتا یا اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنے لئے بوجھ قرار دیتا ہے ورنہ جسے یقین ہو کہ میں ایک دائمی زندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں وہ اگر اس دنیا میں دُکھ اور تکالیف بھی دیکھے تو انہیں بخوشی برداشت کر لے گا اور کہے گا کہ مجھے دائمی سُکھ کی ضرورت ہے عارضی تکالیف کی پرواہ نہیں۔

ہماری جماعت جس پر خدا تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ اسے اپنی آواز کے سننے اور اسے قبول کرنے کی توفیق دی، اِس کے لئے اِس وقت بڑا نازک موقع ہے پہلی قومیں جو مسلمانوں میں گزریں وہ کہہ سکتی ہیں کہ ہمیں کیا معلوم محمد ﷺ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے کس رنگ میں کلام کیا، کس طرح اپنی تائیدات سے انہیں نوازا، کس طرح معجزات ظاہر کئے اور کس طرح اسلام کی شوکت کو بڑھا کر ان کے ایمانوں کو تازہ کیا۔ ہم بعد میں آئے اور زمانۂ نبوت سے بعد کی وجہ سے ہماری آنکھوں نے وہ بینائی حاصل نہ کی جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے حاصل کی تھی لیکن ہماری جماعت خدا تعالیٰ کو کیا جواب دے سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ ہماری جماعت سے کہے گا کہ تم میں ایک شخص میری طرف سے آیا تم نے اس سے پیوستگی اور قُرب حاصل کیا تم نے اُس کی باتوں کو اپنے کانوں سے سنا اور جنہوں نے اپنے کانوں سے نہ سنا انہوں نے انتہائی قُرب کی وجہ سے اپنے دل کی آنکھوں سے ان باتوں کا مشاہدہ کیا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ شریعت کے احکام کی بجا آوری ایک چٹّی اور بوجھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت اور اس کا انعام ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ایسا سلسلہ جاری کیا کہ اب تک ہماری جماعت کے سینکڑوں آدمی ایسے ہیں جن سے خدا کلام کرتا ہے ایسی حالت میں ہماری جماعت اِس

بات کا کیا جواب دے سکتی ہے کہ اس نے کیوں دنیاوی زندگی کو عزیز سمجھا اور کیوں سلسلہ کے لئے جانی اور مالی قربانیوں کو اپنے لئے بوجھ اور چٹّی قرار دیا حالانکہ صاف طور پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ الَّذِیۡ اَنۡقَضَ ظَھۡرَکَ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ۔ انسان پر جتنا بوجھ ہو وہ نیچے جُھکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن پر خدا تعالیٰ کا کلام نہیں اُترتا اور انہیں شریعت کے احکام پر چلنے کی توفیق نہیں ملتی وہ نیچے دبتے ہیں مگر جونہی وہ خدا تعالیٰ کے کلام کو سنتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں تو جس طرح غبارہ اوپر اُڑتا ہے اسی طرح ان کی روح بھی بلند ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ کے الفاظ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے احکام کی پابندی کے ساتھ لگائے ہیں اور بتایا ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری پابندی نہ ہو اُس وقت تک کوئی انسان خدا تعالیٰ کی درگاہ میں معزز نہیں ہوسکتا۔ پھر فرماتا ہے فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۔ یہ مت خیال کرو کہ تم پر تنگیاں ہیں بے شک تنگیاں ہیں مگر یاد رکھو ایک عُسر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے دو یُسر مقرر ہیں۔ عُسر کے ساتھ الف لام یہ بتانے کے لئے لگایا گیا ہے کہ ایک عُسر ہے اور پھر دو یُسر۔ پس العصر سے مراد ایک ہے اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مؤمن کی ایک تنگی کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے دو سُکھ آتے ہیں۔ تنگی تو اس دنیا میں آتی ہے مگر سُکھ مؤمن کو اِس جہان میں بھی حاصل ہوتا ہے اور اگلے جہان میں بھی۔ یہ راستہ ہے جو مؤمن کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو مؤمن سمجھتے ہو تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اس راستہ سے تمہیں گزرنا نہ پڑے۔ اگر کوئی شخص اس عُسر میں سے گزرے بغیر یُسر کا متمنی ہے تو اس سے زیادہ بیوقوف اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ ہماری جماعت میں اس قسم کے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں ہمارا کام صرف اتنا ہی تھا کہ ہم نے احمدیت کو قبول کرلیا۔ اس کے بعد اگر وہ ذرا سا بھی ابتلا دیکھیں تو جھٹ کہنے لگ جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نصرت کیوں نہیں آتی۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بچے بعض دفعہ رات کو جب سوتے ہیں تو ان کی والدہ انہیں کہتی ہے تم اس وقت سو جاؤ صبح ہوگی تو تمہیں مٹھائی دوں گی۔ وہ یہ سنکر آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھول کر کہتے ہیں۔ اماں! کیا اب تک صبح نہیں ہوئی ہمیں مٹھائی کب دوگی؟ یہ بھی جب ذرا سا ابتلا دیکھتے ہیں فوراً کہنے

لگ جاتے ہیں کہ وہ نصرت کے وعدے کیا ہوئے؟ حالانکہ نہ یہ امتحان امتحان ہیں اور نہ یہ ابتلا ابتلا ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہیں جیسے راہ چلتے ہوئے کسی کے پاؤں میں کانٹا چُبھ جائے۔ جس ابتلا کا نام خدا تعالیٰ نے عُسر رکھا ہوا ہو وہ معمولی عُسر نہیں ہوسکتا اور نہ معمولی تکالیف سے ایمان کی آزمائش ہوسکتی ہے۔ جس طرح سونا کٹھالی میں ڈالا جاتا ہے اسی طرح مؤمن جب تک مصائب وشدائد کی کٹھالی میں نہ ڈالا جائے، اس کا حقیقی حُسن ظاہر نہیں ہوتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب انسان اس عُسر میں سے گزر جاتا ہے تو اُس وقت اُس کے اطمینان اور سکون کی کوئی حد نہیں رہتی کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے اور اُس کی رضا اور محبت کا مقام اُسے حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس مقام کے حصول سے پہلے جن قربانیوں کی ضرورت ہے وہ ایسی ہیں کہ انسان ان میں یُسر کو بھول جاتا ہے عُسر آتا ہے اور ایسا شدید عُسر آتا ہے کہ انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب یُسر اس پر کبھی آ ہی نہیں سکتا۔ وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کی ترقیات کے تمام وعدے موہوم ہیں۔ اور وہ گھبرا کر کہتا ہے کہ الٰہی! تیری مدد کہاں گئی۔ پس جب تک انسان ایسے عُسر میں سے نہ گزرے کہ ترقیات کے تمام وعدے اسے موہوم نظر آئیں، ایمان اسے کہتا ہو کہ یُسر آئے گا لیکن عقل اسے کہتی ہو کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں، اب یُسر نہیں آسکتا۔ جب تک انسانی عقل اور انسانی دانش صاف لفظوں میں اسے یہ نہ سنا دے کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ صرف ایمان کہتا ہو کہ گو عقل اس بات کو ماننے سے انکار کرتی ہے کہ اتنے عُسر کے بعد یُسر بھی آسکتا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اُسوقت اللہ تعالیٰ کی محبت کا اعلیٰ مقام انسان کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وہ عُسر کا مقام ہے کہ جب اس پر انبیاء اور ان کی جماعتیں پہنچتی ہیں تو وہ کہہ اُٹھتی ہیں کہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ [10] اور خدا تعالیٰ قرآن مجید میں بیان کرتا ہے کہ جب خدا کے رسول اور انکی جماعتیں یہ کہتی ہیں کہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ۔ اے خدا! مقامِ نَصْرُ اللّٰهِ کہاں ہے؟ اُس وقت ہم کہتے رہیں کہ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ [11] خدا کی مدد تو قریب ہی ہے۔ اِس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب عُسر کا شدید دَور آتا ہے اتنا شدید کہ نَصْرُ اللّٰهِ کا مقام انسان کی نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے تب خدا تعالیٰ کی مدد آتی اور مؤمنوں کو مشکلات سے رہائی دیتی ہے۔ لیکن جب تک یہ مقام حاصل نہ ہو بلکہ مقامِ نَصْرُ اللّٰهِ ہر شخص کو نظر آ رہا ہو، اُس وقت تک غیر معمولی مدد کس طرح آسکتی ہے۔

ہماری جماعت کے لئے بے شک پچھلے ایام میں ایسا طویل ابتلا آیا ہے کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگ گئے تھے کہ نہ معلوم خدا تعالیٰ کی مدد کب آئے گی اور عام طور پر کہا جانے لگا تھا کہ اس حملے کا سلسلہ بہت لمبا ہو گیا ہے مگر کسی کو کیا معلوم تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس فتنہ کا علاج امرتسر میں گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کے پاس رکھا ہوا ہے جو مسجد شہید گنج کے انہدام کے سلسلہ میں ظاہر ہو گیا۔ اور جس نے مسلمانوں پر ثابت کر دیا کہ احرار جو ہماری خدمت اسلام کے نام سے کر رہے تھے، وہ جھوٹے تھے۔ اسلام کے لئے قربانی کرنا ان کا طریق نہیں وہ تو اپنی ذاتی بڑائی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اور جب ذاتی بڑائی حاصل نہ ہوتی ہو تو وہ خدا تعالیٰ کے گھر کے لئے بھی قربانی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن پھر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کے ابتلا آئندہ بھی آتے چلے جائینگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے اُفْطِرُ وَ اَصُوْمُ [12] یعنی میری طرف سے سلوک دونوں رنگ کا ہوگا کبھی روزہ کی شکل میں اور کبھی افطاری کی صورت میں، کبھی ابتلاؤں کا دروازہ کھول دیا جائیگا اور کبھی انعامات کا دروازہ کھول دیا جائیگا۔ جس طرح سمندر میں لہریں اُٹھتی ہیں اور پھر غائب ہو جاتی ہیں اسی طرح ابتلاء لہروں کی طرح آئیں گے۔ کبھی اُن کی لہر اونچی چلی جائے گی اور کبھی نیچی ہو جائے گی یہی حال ترقیات کا ہوگا وہ بھی ایک رَو کی کیفیت لئے ہوئے ہوں گی کبھی نمایاں ہو جائیں گی اور کبھی مخفی ہو جائیں گی۔ پس بیشک یہ ابتلا ایسا تھا جس میں بہت سے لوگ گھبرا گئے اور وہ خیال کرنے لگے کہ نہ معلوم اب کیا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ ان ابتلاؤں کو ختم نہیں کرے گا بلکہ ان کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رکھے گا جب تک ہماری جماعت کا خدا تعالیٰ سے ایسا تعلق پیدا نہیں ہو جاتا کہ اس کی زندگی خالص روحانی زندگی بن جائے اور ان ابتلاؤں کا آنا اس کے لئے ضروری نہ رہے۔ میں اپنے نفس میں دیکھتا ہوں کہ میں نے اس فتنہ سے بہت کچھ سبق سیکھا ہے۔ میں اپنے اِردگِرد کے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے بھی اس فتنہ سے سبق سیکھا ہے اس طرح جماعت کے سینکڑوں لوگ ہیں جنہوں نے اس فتنہ سے بعض مفید سبق سیکھے مگر ایک یا دو سبق یاد کر لینے سے انسان امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بعد اور سبق ہمیں سکھائے گا اور پھر اور سبق ابتلاؤں کے ذریعہ سکھائے گا یہاں تک کہ الٰہی قُرب کا مضمون ہمیں اچھی طرح یاد ہو جائیگا۔ اور کوئی فتنہ ہمارے قدم میں لغزش پیدا نہیں کر سکے گا۔ ابھی ہماری جماعت میں بہت لوگ ایسے ہیں

جن کی تربیت کی ضرورت ہے ابھی بہت لوگ ہماری جماعت میں ایسے ہیں جو سچائی پر قائم نہیں، ابھی بہت لوگ ہماری جماعت میں ایسے ہیں جو پوری طرح دیانت اور امانت سے کام نہیں لیتے، ابھی بہت لوگ ہماری جماعت میں ایسے ہیں جن کا دوسروں سے معاملہ اچھا نہیں۔ پس جب تک ہماری جماعت جھوٹ سے اتنی شدید نفرت نہیں کرتی کہ وہ موت کو قبول کرنا آسان سمجھے مگر جھوٹ بولنے کے لئے تیار نہ ہو، جب تک ہماری جماعت دیانت پر ایسی مضبوطی سے قائم نہیں ہو جاتی کہ وہ موت کو قبول کرنا آسان سمجھے مگر خیانت کے لئے تیار نہ ہو، جب تک ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور عِصیان سے اتنی شدید نفرت نہ کرے کہ وہ موت کو آسانی سے قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے مگر الٰہی احکام کی نافرمانی نہ کرے اُس وقت تک نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری زندگیاں روحانی زندگیاں ہیں اور ہمارے لئے ابتلاؤں اور مشکلات کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس لئے جھوٹ نہیں بولتے کہ وہ سمجھتے ہیں جس ماحول میں وہ رہتے ہیں اس میں جھوٹ بول کر عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے مگر کیا ایک مثال بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے کہ ہماری جماعت میں سے کسی نے اس لئے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہو کہ اس جماعت میں رہ کر جھوٹ بولنا اس کے لئے ناممکن ہے۔ یا کیا ایک مثال بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے کہ ہماری جماعت میں کسی نے اس لئے خیانت اور دھوکا بازی کو چھوڑ دیا ہو کہ اس جماعت میں رہ کر خیانت کرنا موت کو خریدنا ہے۔ پھر کیا ایک مثال بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے کہ ہماری جماعت میں سے کسی نے اس لئے عِصیان وطُغیان کو ترک کر دیا ہو کہ اس جماعت میں رہ کر خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی یا اس کے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی موت ہے۔ اگر نہیں تو پھر جب تک ہماری جماعت کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا اور جب تک جماعت کے افراد اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ جہاں کسی نے گناہ کیا اس نے گویا طاعون اور ہیضے کے کیڑے چھوڑ دیئے۔ اُس وقت تک کون کہہ سکتا ہے کہ تربیت اور جماعت کی ترقی کے لئے مشکلات ومصائب کا آنا اور جماعت کا قربانیوں کے لئے تیار رہنا بہت بوجھ ہے۔ کیا ممکن ہے کہ گناہ کی بجائے اگر کوئی شخص ہیضہ یا طاعون کے کیڑے ایک شہر میں چھوڑ دے تو لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور اس سے محبت اور پیار کریں۔ پھر کیوں لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ہیضہ کے کیڑوں سے ایک شہر کو جتنا نقصان پہنچ سکتا ہے وہ اس نقصان کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا جو جھوٹ کے کیڑوں سے انسانوں کو پہنچتا ہے۔ یا

خیانت اور غداری کے جراثیم اس سے بہت زیادہ انسانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جتنا ہیضے یا طاعون کے کیڑے انسانوں کے لئے مُہلک ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ طاعون اور ہیضہ انسانی جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں مگر جھوٹ، خیانت اور عِصیان انسانی روح کو تباہ کرتے ہیں۔ اور یہ نادانی ہے کہ انسان ہیضہ اور طاعون کو روحانی گناہوں سے زیادہ خطرناک اور مُہلک سمجھے۔ اگر کسی جماعت کا واقعی خدا تعالیٰ سے تعلق ہے تو پھر اسے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو بھی طاعون اور ہیضہ سے زیادہ مُہلک سمجھنا چاہئے۔ اور اگر کسی وقت کہا جائے کہ تمہیں طاعون اور ہیضہ منظور ہے یا جھوٹ، خیانت اور عِصیان وغیرہ تو وہ یک زبان ہو کر کہہ اُٹھے کہ ہمیں طاعون منظور، ہیضہ منظور مگر یہ منظور نہیں کہ گناہوں کے جراثیم ہمارے اندر پھیلیں۔ ہماری جماعت کو بھی غور کرنا چاہئے کہ کیا گناہوں کے خلاف اسی قسم کا جوش اس کے دل میں بہ حیثیت جماعت موجود ہے؟ اگر نہیں تو پھر یقیناً اس کا علاج ہونا چاہئے اور یقیناً پھر ضرورت ہے کہ ابتلاؤں پر ابتلا آئیں یہاں تک کہ دو صورتوں میں سے ایک ہو جائے یعنی یا تو لوگ مرتد ہو جائیں اور یا اپنی اصلاح کر لیں۔ لیکن اگر جماعت بغیر کسی قسم کے ابتلا کے خود بخود اپنی اصلاح کر لے تو پھر ابتلاؤں کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ ابتلاؤں کی ضرورت میں سے ایک بڑی بھاری ضرورت یہ ہے کہ اس طرح قلوب کی اصلاح ہوتی اور مؤمن اور منافق میں تمیز ہو جاتی ہے۔

پس میں پھر ایک دفعہ جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اگر کوئی ہم میں سے اپنے دشمنوں سے لڑنا چاہے تو اسے چاہئے کہ سچائی کی تلوار لے کر لڑے اور یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ لڑائی جو ہم میں اور ہمارے مخالفوں میں جاری ہے ختم ہو گئی۔ یہ ختم نہیں ہو سکتی اور نہ ہو گی بلکہ یہ اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ سچ اور جھوٹ میں سے ایک قربانگاہ پر نہیں چڑھایا جاتا۔ یہ شیطان اور رحمٰن کی آخری جنگ ہے۔ یہ اٹلی اور ایبے سینیا کی جنگ نہیں کہ جب جی چاہا صلح کر لی اور جس وقت خیال اُٹھا لڑائی شروع کر دی۔ نہ یہ جرمن اور انگریز کی جنگ ہے کہ اس کا ختم کرنا انسانی طاقتوں میں ہو بلکہ یہ رحمانی فوجوں کی شیطانی لشکر کے ساتھ آخری جنگ ہے اس جنگ میں نہ خدا دم لے سکتا ہے جب تک کہ شیطان کو شکست نہ دے لے اور نہ شیطان دم لے سکتا ہے جب تک کہ رحمانی فوجوں کو پسپا نہ کرے۔ مگر جیسا کہ پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے آخر رحمانی فوج کو ہی غلبہ ہے۔ شیطان ہمیشہ کے لئے شکست کھائے گا اور اس کی فوجوں کو پسپا کر دیا جائے گا۔ پس دوستوں کو یہ نہیں

سمجھنا چاہئے کہ یہ احرار جنگ کر رہے ہیں احرار تو صرف شیطان کا ایک ہتھیار ہیں جس سے وہ اس وقت کام لے رہا ہے اور اسی طرح کے اس کے اور کئی ہتھیار ہیں۔ شیطانی طاقتیں اِس وقت چاہتی ہیں کہ دنیا سے اسلام کو مٹا دیں اور محمد ﷺ کی آواز کو دنیا سے نابود کر دیں مگر خدا نہیں چاہتا کہ ایسا ہونے دے۔

یَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآاَنْ یُتِمَّ نُوْرَہٗ [۱۳] خدا اس وقت ہر بات سے انکار کر رہا ہے سوائے اس کے کہ اپنے نور کو کامل کر دے۔ اِسی خدا نے اِس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اِس بات کا پھر اعلان کیا ہے کہ میں اپنے نور کو قائم کروں گا اور شیطان کی کُچلیوں کو توڑ دونگا۔ پس آج خدا چاہتا ہے کہ وہ اپنے نور کو کامل کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ شیطنت کی کُچلیاں توڑ ڈالے مگر شیطنت دنیا سے کس طرح کُچلی جاسکتی ہے جب خود ہمارے اندر شیطنت موجود ہو۔ پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا سے جھوٹ اور دغا بازی کو کُچل دیں اور شیطان کی کُچلیوں کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہمارے اندر نیکی اور تقویٰ پیدا ہو اور ابتلاؤں سے ہم گھبرائیں نہیں۔

دیکھو! جب ہوا آتی ہے تو وہ یکساں طور پر نہیں چلتی۔ پہلے ایک جھونکا آتا ہے اور وہ معمولی ہوتا ہے اس کے بعد سکون پیدا ہو جاتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ آندھی بند ہو گئی اس کے بعد پھر ایک جھونکا آتا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ سخت ہوتا ہے پھر سکون ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہوا ہر دفعہ کے سکون کے بعد زیادہ تیزی سے آتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ انسان سمجھتا ہے کہ اب چھتیں اُڑ جائیں گی اور دیواریں ٹُوٹ جائیں گی مگر پھر طوفان میں کمی آنے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ آندھی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ابتلاؤں کا بھی سلسلہ ہے وہ بھی آہستہ اُٹھتے اور آخر شدت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ مقصد پورا ہو جاتا ہے اور ان میں کمی آنی شروع ہو جاتی ہے مگر بغیر مقصد کے پورا ہونے کے ان میں کمی نہیں آسکتی اور یہ سلسلۂ ابتلاء اُس وقت تک ختم نہیں ہوسکتا جب تک کہ شیطان اپنی پوری طاقت خرچ نہ کر لے اور ہر قسم کے حربوں سے کام لے کر ناکام نہ ہو چکے۔ ممکن ہے احرار کا ہتھیار اگر کُند ہو جائے تو شیطان اپنے لئے کوئی اور ہتھیار اختیار کر لے مگر یہ جنگ اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ خدا کی طرف سے جو چیلنج ملا ہے اس کے نتیجہ میں شیطانی طاقت دنیا سے مٹ نہ جائے اور وہ رحمانی فوجوں کے آگے اپنے ہتھیار نہ ڈال دے۔ اگر تم بدیوں کی فہرست گِنو تو دن

رات میں گناہوں اور بدیوں کے نام بھی پوری طرح گِن نہیں سکو گے۔ جب شیطانی جال اس قدر وسیع طور پر دنیا میں پھیلا ہؤا ہے تو کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم معمولی معمولی قربانیوں سے اِس جال کو توڑ سکو گے؟ جب تک تم کامل قربانی اور ایثار نہ دکھاؤ اور ہر قسم کے خطرات کو برداشت کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی آواز دنیا کے کانوں تک نہیں پہنچاؤ گے اُس وقت تک کامیابی نہیں آسکتی۔ پس کبھی مت خیال کرو کہ معمولی معمولی قربانیوں سے تم اپنے کام کو ختم کر سکو گے۔ تمہیں اس راہ میں اپنی عزتیں قربان کرنی پڑیں گی، وجاہتیں قربان کرنی پڑیں گی، اموال قربان کرنے پڑیں گے، جانیں قربان کرنی پڑیں گی اور ہر عزیز سے عزیز تر چیز اِس راہ میں لٹا دینی ہوگی تب وہ نتیجہ نکلے گا جس کے تم خواہشمند ہو۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ پھر تمہیں آرام مل جائے گا اور تمہارے لئے کوئی کام نہیں رہے گا۔ مَیں حیران ہوتا ہوں جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ آرام کا کس قدر غلط مفہوم سمجھے بیٹھے ہیں اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ آرام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ اے رسول! جب تم اس جنگ سے فارغ ہو جاؤ تو آرام تم نے پھر بھی نہیں کرنا بلکہ فَانۡصَبۡ پھر خوب محنت کرنا اور جدوجہد سے کام لینا۔ پس اسلام نے آرام کے معنی زیادہ کام اور زیادہ جدوجہد کرنے کے لئے ہیں۔ اور اسلام کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جتنا زیادہ کوئی شخص جدوجہد کرے گا اُتنا زیادہ وہ اپنے دل میں آرام محسوس کرے گا۔ اس نقطہ نگاہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔

یہ مضمون چونکہ بہت وسیع ہے اس لئے میں اِس وقت اِس پر بحث کرنا نہیں چاہتا میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آرام کی غلط تعریف لوگ کرتے ہیں اور اس طرح بارگاہِ الٰہی سے راندے جاتے ہیں۔ مؤمن کے نزدیک آرام کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ کام کرے اور خوب محنت سے کرے۔ اسلام کے نزدیک آرام منزلِ مقصود نہیں جس کے لئے انسان جدوجہد کرتا ہے بلکہ صحیح کوشش کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے والی حِس کا نام ہے۔ چنانچہ یہاں اِسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے تمہیں حکم دیا۔ شیطان سے لڑو اور خوب لڑو۔ تم نے لڑائی کی اور فتح حاصل کی۔ آؤ اب اور زیادہ زور سے ہماری طرف دَوڑو کیونکہ تمہارے لئے یہی حکم ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو زیادہ کوشش اور مستعدی سے خدا تعالیٰ کی طرف دَوڑو۔ پس مؤمن کے لئے اِس قسم کا آرام کہاں آیا جسے دنیا آرام کہتی ہے۔

مجھے اِس جگہ پر ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ مولوی برہان الدین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے نہایت مخلص صحابی تھے اور نہایت خوش مذاق آدمی تھے اِن ہی کی وفات اور مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی وفات کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدرسہ احمدیہ کے قیام کا خیال پیدا ہوا۔ وہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے اور ذکر کیا کہ میں نے خواب میں اپنی فوت شُدہ ہمشیرہ کو دیکھا ہے کہ وہ مجھ سے ملی ہیں میں نے اُن سے پوچھا کہ بہن بتاؤ وہاں تمہارا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگی خدا نے بڑا فضل کیا، مجھے اُس نے بخش دیا اور اب میں جنت میں آرام سے رہتی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ بہن وہاں کرتی کیا ہو؟ وہ کہنے لگی بیر بیچتی ہوں۔مولوی برہان الدین صاحب کہنے لگے۔ میں نے کہا'' بھین ساڈی قسمت بھی عجیب ہے سانوں جنت وچ بھی بیر ہی ویچنے پئے'' ان کے خاندان میں چونکہ غربت تھی اس لئے خواب میں بھی ان کا خیال اِدھر گیا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ رؤیا سنکر فرمایا مولوی صاحب! اس کی تعبیر تو اور ہے مگر خواب میں بھی آپ کو تمسخر ہی سُوجھا اور مذاق کرنا نہ بُھولا۔ بیر درحقیقت جنتی پھل ہے اور اس سے مراد ایسی کامل محبت ہوتی ہے جو لازوال ہو کیونکہ سِدْرَہ لازوال الٰہی محبت کا مقام ہے پس اِس کی تعبیر یہ تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کی لازوال محبت لوگوں میں تقسیم کرتی ہوں۔غرض مؤمن تو کسی جگہ رہے اُسے کام کرنا پڑے گا اور اگر کسی وقت کسی کے ذہن میں یہ آیا کہ اب آرام کا وقت ہے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ اس نے اپنے ایمان کو کھو دیا کیونکہ جس بات کو اسلام نے ایمان اور آرام قرار دیا ہے وہ تو کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے۔ **فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ**۔ جب تم فارغ ہو جاؤ تو اور زیادہ محنت کرو اور اپنے رب کی طرف دَوڑ پڑو۔

یہ نکتہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے تمہارے لئے ان معنوں میں کوئی آرام نہیں جسے دنیا کے لوگ آرام کہتے ہیں لیکن جن معنوں میں قرآن کریم آرام کا وعدہ کرتا ہے اسے تم آسانی سے حاصل کر سکتے ہو۔ دنیا جن معنوں میں آرام کا مطلب لیتی ہے وہ یقیناً غلط ہیں اور ان معنوں سے جس شخص نے آرام کی تلاش کی وہ اس جہان میں بھی اندھا رہے گا اور آخرت میں بھی اندھا اُٹھے گا۔تم خدا تعالیٰ کی طرف دیکھو اُس نے آرام پیدا کیا مگر کیا وہ خود بھی آرام کیا کرتا ہے؟ اُس کے متعلق تو آتا ہے کہ **لَاتَأْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ** اُسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

کوئی بیوقوف تھا اُس نے جب یہ آیت پڑھی تو کہنے لگا اللہ میاں تو بڑے دُکھ میں ہوگا اُسے نہ

نیند آتی ہے نہ اُونگھ۔ مگر جب تم خدا کے متعلق یہ تسلیم کرتے ہو کہ وہ نہ سوتا ہے نہ اونگھتا تو کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ دُکھ میں ہے۔ اگر نہیں تو پھر جب تم بھی خدا کی مانند ہونا چاہتے ہو تو کس طرح ممکن ہے کہ تم سمجھ لو کہ تمہارے لئے آرام کا زمانہ اِس طرح آ سکتا ہے کہ تم قربانی اور خدمت سے بچ جاؤ۔ جس خدا کا مثیل بنی آدم کو بنانے کے لئے خدا تعالیٰ کے انبیاء دنیا میں آتے رہے، اس خدا کے متعلق تو قرآن مجید نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ وہ نہ سوتا ہے نہ اونگھتا اور جبکہ تمہارا کام بھی یہی ہے کہ تم خدا نما بنو اور اُس کے مظہر کامل کہلاؤ تو جس طرح خدا کے لئے کوئی نیند نہیں، اُس کے لئے کوئی اونگھ غفلت اور سُستی نہیں اسی طرح تمہارے اندر بھی نہ نیند ہو، نہ اونگھ، نہ سُستی، نہ غفلت۔ اس کے مقابلہ میں شیطان کا یہ کام ہے کہ وہ سوتا ہے اور اونگھتا ہے۔ لیکن خدا تو وہ ہے جو نہ سوتا ہے نہ اُونگھتا ہے۔ پس اگر تم حقیقی آرام چاہتے ہو تو آرام کے معنی سمجھو۔ اور یاد رکھو کہ آرام کے یہی معنی ہیں کہ جس طرح خدا اپنی مخلوق کی خیر خواہی اور بھلائی میں ہر وقت لگا رہتا ہے اسی طرح مؤمن کو بھی چاہئے کہ وہ ہر وقت بنی نوع انسان کی بھلائی اور بہبودی کے کاموں میں مصروف رہے کیونکہ جتنا زیادہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کا موقع ملتا ہے اسی قدر زیادہ وہ آرام محسوس کرتا ہے۔

(الفضل ۱۹؍اکتوبر ۱۹۳۵ء)

۱؎ الانشراح: ۲ تا آخر

۲؎ متی باب ۱۵ آیت ۲۱ تا ۲۶ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء مفہوماً

۳؎ الاعراف: ۱۵۹ ۴؎ العلق: ۲، ۳ ۵؎ التوبۃ: ۴۰

۶؎ المائدۃ: ۲۵

۷؎ گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء

۸؎ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدۃ: ۸۴)

۹؎ گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء

۱۰؎، ۱۱؎ البقرۃ: ۲۱۵

۱۲؎ تذکرہ صفحہ ۴۲۰۔ ایڈیشن چہارم

۱۳؎ التوبۃ: ۳۲ ۱۴؎ البقرۃ: ۲۵۶